بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

آج کی اشاعت میں پہلے صفحہ پر ناظرین کو یہ اعلان دیکھ کر حیرت ہوگی کہ ادارہ دارالاسلام کا مرکز اور ترجمان القرآن کا دفتر اس مقام سے (جس کا نام ہی اس نصب العین کی رعایت سے دارالاسلام رکھا گیا تھا) منتقل ہو رہا ہے۔ بلکہ جو حضرات اس اسکیم سے نسبتہً زیادہ گہری دلچسپی لیتے رہے ہیں ان کے لیے تو یہ امر شاید حیرت سے بڑھ کر کچھ پریشانی کا بھی موجب ہو۔ اس لیے مختصراً اس نقل مکان کے وجوہ و اسباب کی طرف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، ورنہ قابل ترجیح تو یہی تھا کہ یہ معاملہ یونہی خاموشی کے ساتھ گذر جاتا۔

واقعہ یہ ہے کہ اس ادارہ کے تخیل کو کسی خاص مقام یا سرزمین سے کوئی تعلق نہیں ہے حقیقتہً دارالاسلام تو ہندوستان میں کوئی ایک چپہ بھر زمین بھی نہیں۔ البتہ ہمارا مقصد پورے ہندوستان کو دارالاسلام بنانا ضرور ہے سو اس مقصد کے لیے اس جزیرہ نما کے ہر خطہ میں ادارہ دارالاسلام قائم ہو سکتا ہے۔ رہا یہ خاص مقام، تو اس میں نے شخصی طور پر بعض حضرات کی دعوت اور وعدۂ اعانت پر ایک ایسی نمونہ کی بستی کے لیے پسند کیا تھا جہاں دارالاسلام کا نصب العین رکھنے والے ہر حصۂ ملک سے سمٹ کر مجتمع ہو سکیں اور اپنے مقصد کے لیے اجتماعی سعی و جہد کرنے کی قوت و قابلیت بہم پہنچا سکیں۔ اسی خیال کو سامنے رکھ کر میں حیدرآباد سے یہاں ڈیڑھ ہزار میل تک اپنا گھر بار اٹھا لایا تھا اور اپنے نزدیک یہ سمجھ رہا تھا کہ شاید یہی میرا مستقر بھی ہوگا اور مستودع بھی۔

لیکن جب ادارہ باقاعدہ قائم ہوا اور رفقائے کار مجتمع ہوئے تو تمام حالات کو سامنے رکھ کر بالاتفاق

یہ رائے قائم کی گئی کہ جو مقاصد اور اصول ہمارے پیش نظر ہیں ان کے تتبع میں کام کرنے کا موقع یہاں نہیں مل سکتا۔ خود میرا اپنا دس مہینہ کا تجربہ بھی اسی پر شاہد تھا۔ لہذا یہ طے ہوا کہ ادارہ کا مرکز یہاں سے کسی مناسب تر مقام پر منتقل کر دیا جائے، اور اس کے لیے متعدد حیثیات سے لاہور کو پسند کیا گیا۔

جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں ہمیں کسی زمین کی خاک سے کوئی دلچسپی و محبت نہیں ہے۔ محبت اس نصب العین سے ہے کہ اللہ کا کلمہ سب کلموں پر غالب اور اس کا قانون سب قوانین سے بالاتر ہو۔ اس لیے اس مقصود کے پیچھے جہاں جہاں جانے کی ضرورت ہوگی جائیں گے اور جس جس سرزمین کی خاک چھاننی پڑے گی چھانیں گے۔ مقصد اگر عزیز ہے تو اس کے لیے ہر زحمت گوارا ہونی چاہیے، اور زحمت اگر خوفناک ہے تو مقصد کا نام بھی زبان پر نہ آنا چاہیے، خصوصاً دارالاسلام جیسے مقصد عالی کا نام جسے زبان پر لانے کا حق ہی اس وقت تک کسی کو نہیں پہنچتا جب تک کہ اس کے قلب پر لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ کی عزیمت اور اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ کے سودے پر کامل رضامندی ثبت نہ ہو جائے۔

اس نقل مقام سے ادارہ کے دستور العمل اور لائحہ عمل میں ان شاء اللہ یک سر مو فرق نہ آئے گا۔ البتہ اس لائحہ کا صرف یہ حصہ سر دست معرض التوٰی میں رہے گا کہ شہری آبادی سے ہٹ کر ایک علیحدہ مقام میں دارالاسلامی ماحول پیدا کیا جائے اور وہاں تعلیم و تربیت کے اسباب فراہم کیے جائیں۔ بلاشبہ یہی اس ساری اسکیم کی جان ہے، لیکن جس خدا کے نام پر یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے اس سے کچھ بعید نہیں کہ اس کا بھی سامان کر دے وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

ادارہ کا باقاعدہ قیام اگرچہ حال ہی میں ہوا ہے لیکن اس کے لیے عملی جدوجہد شروع ہوئے

پورا ایک سال ہوچکا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ایک سال کے واردات وصادرات کا آغاز ۵ ذی القعدہ ۵۷ھ، جنوری ۳۹ء تک) پیش کردیا جائے۔

جمع		خرچ	
عطایا جو معاونین ادارہ سے وصول ہوئے	۸۸۸-۲-۹	طباعت لٹریچر	۴۵۸-۰-۶
عطیہ چودھری نیاز علی خان صاحب	۲۰۰-۰-۰	ڈاک خرچ	۱۵۲-۶-۹
فروختِ کتب	۳۵۷-۳-۳	اسٹیشنری	۴۹-۱۳-۰
زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ	۳۸-۵-۰	متفرق سامان برائے ضروریاتِ ادارہ	۳۱-۶-۹
از ابوالاعلیٰ بصورت کرایہ مکان لہ	۴۶-۱۰-۹	تنخواہ ملازمین	۱۸۵-۱۰-۰
از ابوالاعلیٰ و دیگر ارکانِ ادارہ بابت قیمتِ غلہ لہ	۴۹-۸-۰	قرض حسنہ بنام عزیز ہندی صاحب	۲۰۱-۱۴-۳
	۱۵۷۹-۱۳-۹	مصارف دورہ عزیز ہندی صاحب	۱۳-۱۰-۳
		خیرات از مد زکوٰۃ	۲-۴-۰
			۱۰۹۵-۱-۶

جملہ آمدنی	۱۵۷۹ — ۱۳ — ۹
جملہ خرچ	۱۰۹۵ — ۱ — ۶
بقایا	۴۸۴ — ۱۲ — ۳

اس بقایا میں سے جناب چودھری نیاز علی خان صاحب کے مطالبہ پر ۲۵۲ روپے ۲ آنہ ان کو نقد واپس کیے گئے اور اسٹیشنری (جو ۹ جنوری سنہ ۳۹ء کو دفتر ادارہ میں موجود تھی) اور وہ سامان جو ضروریاتِ ادارہ کیلئے خریدا گیا تھا ان کے حوالہ کردیا گیا۔ اس طرح ٹرسٹ سے جملہ حساب بے باق ہو گیا

لہ مکان سے مراد مکان موقوفہ ہے۔ اور غلہ سے مراد زمینِ وقف کی پیداوار ہے جو ارکانِ ادارہ نے استعمال کی۔ لہٰذا کرایہ مکان اور قیمتِ غلہ کی رقوم دراصل چودھری نیاز علی خان صاحب کے ٹرسٹ کو ادا کی گئی تھیں اور ٹرسٹ کی طرف سے ادارہ کے بیت المال میں داخل ہوئی تھیں۔

کرنے کے بعد ادارہ کے خزانہ میں صرف ایک سو تیس روپے باقی ہیں، اور سامان کی صورت میں کچھ موجود نہیں۔

(اس موقع پر مجھے یہ بیان کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ذاتی طور پر میں اور میرا رسالہ ترجمان القرآن کسی شخص یا جماعت کی مالی اعانت کا کبھی شرمندۂ احسان نہیں ہوا۔ میں یہاں اپنے خرچ پر آیا، اپنے خرچ پر رہا اور اپنی شخصی ذمہ داری پر رسالہ چلاتا رہا۔ اس تصریح کی کوئی حاجت نہ تھی اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ بعض حضرات اس باب میں غلط فہمیاں پھیلا رہے ہیں)۔

اس حساب کی رو سے ہم ایک سو بتیس روپے کا عظیم الشان سرمایہ لیے ہوئے دوسرے سال کی سرحد میں داخل ہو رہے ہیں۔ دنیوی لحاظ سے یہ سروسامان بہت حقیر ہے۔ شاید اسے دیکھ کر لوگ ہمارا مذاق اڑائیں گے کہ اس بل بوتے پر آپ کفر کی اُن زبردست طاقتوں کا مقابلہ کرنے چلے ہیں جن کے سرمایہ کو اربوں اور سنکھوں کے حساب سے بھی شمار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اسلام کی تاریخ پر جب ہم نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں یہی نظر آتا ہے کہ یہ جب کبھی اٹھا ہے، بے سروسامانی کے ساتھ ہی اٹھا ہے، اور اسی حال میں اس نے بڑی بڑی سروسامان والی طاقتوں کے ساتھ ٹکر لی ہے۔ لہٰذا سرمایہ کی قلت وہ چیز نہیں ہے جو ہمارا دل توڑنے والی ہو۔ ہاں! دل توڑنے والی چیز اگر کوئی ہے تو وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے سینوں میں اب وہ دل نظر نہیں آتے جو اسلام کی صحیح کیفیت سے سرشار ہوں۔ کاش، ان سو سو روپوں کے بجائے صرف سوا پیسے ہمارے بیت المال میں ہوتا مگر ہمارے ساتھ مردانِ حق کی ایک ایسی جماعت صف بستہ ہوتی جن کے دل حب الدنیا وکراھیۃ الموت سے خالی ہوتے۔ یہ ہے وہ اصلی سرمایہ جس کے فقدان کا ہمیں افسوس ہے۔ غلط کہتا ہے جو کہتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس دولت نہیں اس لیے یہ کمزور ہیں۔ مسلمانوں میں دولت اب بھی موجود ہے، مگر زیادہ تر ان طبقوں میں ہے جو دو خداؤں کی پوجا کرتے ہیں، مسجد میں خداوندِ عالم کی اور مسجد سے باہر شیطانِ نفس کی۔ اور جن طبقوں میں دولت نہیں ہے ان کے ضعف کا بھی اصلی سبب دولت کا فقدان نہیں بلکہ معبودِ زر کی بندگی ہے جسے راضی کرنے کی فکر ان میں سے بہتوں کو خدا سے بے فکر کر دیتی ہے۔ یہ گھن اس قوم کو سر سے پاؤں تک کھا گیا ہے ورنہ ممکن نہ تھا کہ اس میں حقیقی خدا پرستی زندہ ہوتی اور پھر یہ غلام ہوتی۔

ادارہ دارالاسلام کا دستور العمل شائع ہوئے تقریباً تین مہینے ہو چکے ہیں۔ اس دوران میں ہمارے ارکان کی تعداد پانچ سے بڑھ کر چھ ہو گئی اور خوشی کی بات ہے کہ چھٹی رکن ایک خاتون ہیں۔ ان کے علاوہ حیدرآباد، مدراس، پشاور، دہلی، لاہور اور پٹنہ سے چھ اصحاب نے اپنے آپ کو رکنیت کے لیے پیش کیا ہے لیکن بنابر احتیاط ان کو ابھی آزمائشی دور میں رکھا گیا ہے تاکہ کچھ مدت تک وہ اپنے نفس کا پورا احتساب کریں اور پہلے خود اس امر کا اندازہ کرلیں کہ آیا وہ رکنیت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے اپنے آپ میں پوری طاقت پاتے ہیں یا نہیں۔ معاونین کی فہرست میں بھی چھ اصحاب نے اپنا نام پیش کیا ہے جسے قبول کر لیا گیا کیونکہ رکنیت کی بہ نسبت اس باب میں کم چھان بین کی ضرورت ہے۔

رفتار ترقی کی سستی بجائے مایوس کن ہونے کے ہمارے لیے امید افزا ہے۔ ہمارے پیش نظر تعداد کی کثرت نہیں بلکہ کیفیت کی شدت ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ جن لوگوں تک اس ادارہ کا تخیل پہنچا ہے وہ اس کے وزن کو محسوس کر رہے ہیں، اور انھیں اس امر کا شعور ہے کہ اس ادارہ کی شرکت عام انجمنوں کی شرکت سے مختلف چیز ہے۔ اسی احساس کا نتیجہ ہے کہ بہت سے وہ لوگ بھی جو ہمارے مقاصد اور طریق کار سے کلی اتفاق رکھتے ہیں، اپنے آپ کو رکنیت یا معاونت کے لیے پیش کرتے ہوئے جھجکتے ہیں، اور جو اقدام کرتے ہیں ان کی محتاط پیش قدمی سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ وہ کسی ہنگامی جوش میں ایسا نہیں کر رہے ہیں بلکہ یہ ان کے گہرے تفکر اور حقیقی شرح صدر کا نتیجہ ہے۔ فطری بات ہے کہ اس صورت میں رفتار ترقی تیز نہیں ہو سکتی، مگر جتنی ترقی بھی ہوگی ان شاء اللہ مستحکم اور پائدار ہوگی۔ اور ہم اپنے آپ کو اس وقت خوش نصیب سمجھیں گے جب اس ٹھنڈی رفتار کے ساتھ ہمیں آٹھ نو کروڑ مسلمانوں کی اس بستی میں سے پچاس مومن قانت مل جائیں گے۔

دوسری طرف بہت سے حضرات نے مراسلات میں بھی اور زبانی گفتگوؤں میں بھی مختلف قسم کے

شبہات کا اظہار کیا جن کا دائرہ اتنے وسیع مباحث پر پھیلا ہوا ہے کہ انھیں سمیٹنے کے لیے ایک دفتر چاہیے۔ ان سے ہمیں یہ معلوم کرنے کا اچھا موقع مل گیا کہ اس وقت ہمارے ارباب فکر عموماً کس قسم کی الجھنوں میں مبتلا ہیں، اور ساتھ ہی یہ دیکھ کر اطمینان بھی ہوا کہ اس تمام ذہنی بدنظمی کی تہ میں ایک حقیقی تجسس چھپا ہوا ہے جس کی تشفی کا سامان اگر ہم پہنچ جائے تو ہماری قوم کی یہ ساری قوتیں جو فضول ضائع ہو رہی ہیں، رفتہ رفتہ ایک اجتماعی نصب العین کی طلب میں لگ جائیں گی۔

ہر شبہ کا جواب برسر موقع دیا جاتا رہا ہے لیکن ایک خاص شبہ ایسا بھی ہے جسے مختلف پہلوؤں سے مختلف حضرات نے پیش کیا ہے، اور خیال ہوتا ہے کہ شاید وہ نسبتاً زیادہ عام ہے۔ لہٰذا ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ یہاں اسے بیان کرکے صاف کر دیا جائے۔ اس شبہ کا خلاصہ دو سوالوں کی شکل میں بیان کیا جاسکتا ہے:

(۱) تم نے اس ادارہ کو ایک تربیت گاہ یا ایک علمی مرکز کے بجائے ایک تحریک اور وہ بھی آل انڈیا قسم کی تحریک کی صورت دیدی ہے۔ کیا اس سے تمہارا مقصد آل انڈیا انجمنوں میں ایک اور کا اضافہ کرنا ہے؟

(۲) تم نے مسلمانوں کی تمام انجمنوں پر حتی کہ مسلم لیگ پر بھی، جو تم سے نسبتاً قریب تر تھی تنقید کر ڈالی۔ کیا تم اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ چننا چاہتے ہو اور ان سب کے رقیب کی حیثیت سے میدان میں آرہے ہو؟

ان دونوں سوالوں کا مختصر جواب ہم ایک ہی سلسلہ میں دیں گے۔

یہ گمان کہ ہم کوئی جمہوری یا عمومی تحریک (Mass-movement) لے کر اٹھ رہے ہیں، صرف اسی ایک بات سے بآسانی دور ہوسکتا ہے کہ ہم نے رکن تو درکنار، معاون بننے کے لیے بھی اتنی کڑی قیود رکھی ہیں جو شاید کسی دوسرے ادارہ میں قیادت چلانے کے لیے بھی نہیں ہیں۔ اسی سے اندازہ کرلیا جاسکتا ہے کہ کم از کم مستقبل قریب میں تو یہ ادارہ کوئی عمومی تحریک نہیں بن سکتا۔ اس قسم کا خطرہ جن حضرات کے دل میں گذرا ہے وہ شاید مسلمانوں کی طرف سے بہت ہی خوش گمان واقع ہوئے ہیں کہ اتنی سخت قیود کے باوجود وہ توقع

رکھتے ہیں کہ اس حالت میں اس قوم کے درمیان ایسا ادارہ بھی ایک عمومی ادارہ بن سکتا ہے۔ لیکن اگر فی الواقع ایسا ہو جائے، اگر لاکھوں آدمی دار الاسلام کا نصب العین لے کر اُس کیرکٹر کی طاقت کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں جس کا نقشہ ہمارے دستور العمل میں پیش کیا گیا ہے تو یہ گھبرانے کی نہیں، خوشی کی بات ہوگی وہ دن تو اسلام کی فتح کا دن ہوگا جس کی تمنا ہر مسلمان کے دل میں ہونی چاہیے نہ کہ خوف!

دستور العمل سے گذر کر جب آپ ہمارے لائحۂ عمل کو دیکھیں گے تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ یہ لائحۂ عمل کسی آل انڈیا قسم کی عمومی تحریک کا نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ایک خشک، بے مزہ، سخت محنت طلب اور خاموش تعمیری پروگرام ہے جس کو عمل میں لانے کے لیے اعلیٰ درجہ کی اخلاقی، ذہنی اور عملی صلاحیتوں کی ضرورت ہے، لگاتار عمل کی ضرورت ہے اور وہ بھی بے مزد و بے اجر، ایثار و قربانی کی ضرورت ہے اور وہ بھی صرف آسائش اور جذباتِ نفس ہی کی حد تک نہیں بلکہ مال اور جان کی حد تک بھی۔ کیا یہ چیز عوام کے مطلب کی ہو سکتی ہے کہ اس کی طرف ان کے فوج در فوج متوجہ ہو جانے کا اندیشہ کیا جا سکے؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہم نے اپنے نظام کو ایک مقام پر محدود نہیں رکھا ہے بلکہ ان سب لوگوں کے لیے اس سے وابستہ ہونے کا موقع فراہم کر دیا ہے جو ہمارے ہم خیال ہوں، خواہ ہندوستان کے کسی گوشے میں بیٹھے ہوئے ہوں۔ لیکن اس کا مدعا اس ادارے کو عام اصطلاحی معنوں میں "آل انڈیا" بنانا نہیں ہے بلکہ مقصد کچھ اور ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہندوستان کے ہر کونے میں ایسے لوگ موجود ہیں، جو اسی ایک نصب العین کے لیے جی رہے ہیں جو ہمارے پیش نظر ہے ان میں سے بعض کی قوتیں منتشر سعی و جہد میں ضائع ہو رہی ہیں، اور بعض مایوس بیٹھے ہوئے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ان سب کو ایک سلک میں منسلک کر دیں تاکہ اس نصب العین کے لیے اجتماعی طاقت فراہم ہو سکے۔ انہی لوگوں میں سے، یا ان کے ذریعہ سے ہم کو اپنے کام کے آدمی مل سکیں گے ورنہ یہاں کس کے پاس اتنا وقت اور اتنا سرمایہ ہے کہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں کام کے آدمی ڈھونڈتا پھرے۔ انہی

لوگوں کے ذریعہ سے ہم اپنے خیالات منظم طریقہ پر پھیلا سکیں گے، اور یہی لوگ آخر کار ان تربیت یافتہ آدمیوں کے لیے میدانِ عمل فراہم کریں گے جنھیں ہمارا ادارہ مختلف تعمیری خدمات کے لیے تیار کرے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام فوائد اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتے جب تک کہ ادارہ کے نظام کو وسیع نہ کیا جائے۔

بلاشبہ مسلمانوں کو ایک ایسی جمہوری تحریک کی بھی ضرورت ہے جو عوام میں بیداری پیدا کرے اور وسیع پیمانے پر منظم جدوجہد کر کے ہندوستان کی اجتماعی زندگی میں مسلمانوں کے لیے ان کی قوم کے شایانِ شان مرتبہ حاصل کرے۔ جو لوگ اس کام کے لیے موزوں ہیں ان کو یہی کام کرنا چاہیے لیکن اس جمہوری تحریک کی پشت پر ایک ایسی تعمیری تحریک کی بھی ضرورت ہے جو قوم کو بنانے والی حقیقی طاقت فراہم کرے، اور جمہوری حرکت کو حیات اجتماعی کی اصلی غذا بہم پہنچائے۔ صدیوں سے مسلمان اس حقیقت کو بھولے ہوئے ہیں کہ خلافتِ الٰہی کا قیام وہ واحد غرض ہے جس کے لیے ان کو ایک الگ قوم بنایا گیا ہے۔ اسی خود فراموشی کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کی قومی تحریکیں، اور ان کے کارکنوں کی طاقتیں ایسے مختلف راستوں پر بھٹکتی رہی ہیں اور اب تک بھٹک رہی ہیں جن میں سے کوئی راستہ بھی سیدھا ان کی منزلِ مقصود کی طرف نہیں جاتا۔ لہٰذا کوئی جماعت ایسی بھی ہونی چاہیے جو ان کے سامنے اس نصب العین کو ہر وقت نمایاں اور روشن کرتی رہے، اور ان کی ہر جمہوری حرکت کو اسی کی طرف بڑھنے پر اکسائے اور اگر اس منتہا سے فروتر کسی مقام پر وہ ٹھیر رہے ہوں تو انھیں دھکیل کر آگے بڑھنے پر مجبور کرے۔ پھر وہ اصلی کمزوری جس نے مسلمانوں کو اپنے قومی نصب العین کی طرف پیش قدمی سے درماندہ کر رکھا ہے، یہ ہے کہ صدیوں سے ان کے ہاں اصولِ اسلام کی بنیاد پر تعمیر کا کام بند پڑا ہے، اور بعد کی نسلیں صرف اسی سرمایہ پر زندگی بسر کرتی رہی ہیں جو ابتدائی تین چار صدیوں میں ان کے قومی معماروں نے فراہم کیا تھا۔ یہ سرمایہ اب بالکل ناکافی ہوچکا ہے۔ زندگی کے بدلے ہوئے حالات میں جس جس قسم کے مسائل سے اب وہ دوچار ہو رہے ہیں ان کا کوئی

مفصل، مرتب، قابلِ عمل حل ان کو نہیں ملتا۔ ان کے ہاں عقائد اور اخلاقیات سے لیکر تمدنی، معاشی، سیاسی اور بین الاقوامی قوانین تک ہر چیز ہزار برس پرانی زبان میں ہے جسے اب کوئی نہیں سمجھ سکتا، اور ہزار برس پرانی زندگی سے وابستہ ہے جو آج کہیں موجود نہیں ہے۔ اگرچہ مسلمان اب بھی کبھی کبھی اسلامی حکومت کا نام زبان پر لے آتے ہیں، لیکن اگر کسی خطۂ ارضی میں ان کو حکومت کا موقع مل بھی جائے تو صحیح معنوں میں کوئی اسلامی حکومت قائم نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے پاس اس زمانہ کی ضروریات کے مطابق ایک ترقی پذیر نظام تمدن و سیاست کو چلانے کے لیے کوئی چیز بھی مرتب نہیں ہے، حتیٰ کہ قرآن و سنت کے اصول و کلیات کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے والے بھی ان میں کہیں شاذ و نادر ہی ملتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ٹرکی و ایران جیسی سلطنتوں کو مجبوراً فرنگی قوانین کی طرف رجوع کرنا پڑا، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان میں بھی جو لوگ اس وقت اسلام کے نام سے ہماری قومی جمہوری حرکت کو چلا رہے ہیں، وہ غریب صحیح اسلامی اسپرٹ اور صحیح اسلامی اصولوں پر ہمارے قومی مسائل کو حل نہیں کر سکتے۔ پس ہماری ہر جمہوری تحریک کی کامیابی کا، بلکہ ہماری قوم کے مستقبل کا انحصار اس پر ہے کہ ہمارے ہاں ایک جماعت ایسی پیدا ہو جو اس حقیقی ضرورت کو پورا کرے۔ جو ایک ایسا مخزنِ ہدایت ہو جس کی طرف ہر ضرورت کے موقع پر رجوع کیا جا سکے جس میں اتنی زبردست قوتِ محرکہ موجود ہو کہ موجودہ زمانہ کی غیر اسلامی تحریکات کا نہ صرف مقابلہ کر سکے بلکہ افکار کے سیلاب کا رخ اسلامی نصب العین کی طرف پھیر دے، اور مادی حکومت سے پہلے اسلام کی عقلی و دماغی حکومت قائم کرے۔ خوب یاد رکھنا چاہئے کہ کوئی تہذیب محض سیاسی و فوجی طاقت کے بل پر قائم نہیں ہو سکتی۔ وہ اصلی طاقت جو کسی تہذیب کو قائم کرتی اور قائم رکھتی ہے عقلی و دماغی طاقت ہے۔ تاتاریوں نے تلوار کے زور سے اسلامی مملکتوں کا تختہ الٹ دیا، مگر وہ کوئی تہذیبی انقلاب پیدا نہ کر سکی، بلکہ خود ان کی تہذیب سے مغلوب ہو گئی جن کو انھوں نے تلوار کے زور سے مغلوب کیا تھا، اس لیے کہ ان کے پاس عقلی و دماغی حکومت قائم کرنے والی کوئی طاقت نہ تھی۔ لہٰذا اگر ہمیں سیاسی طاقت حاصل ہو بھی جائے تو ہم اسلام کی حکومت دنیا کے کسی خطہ میں بھی قائم نہیں کر سکتے جب تک کہ ہمارے پاس قرآن کا صحیح فہم نہ ہو، اور اتنی صلاحیت نہ ہو کہ خالص قرآنی بنیادوں پر

کسی تہذیب و تمدن کی عمارت اٹھا سکیں۔

یہی دو کام ہیں جن کے لیے ادارہ دارالاسلام قائم کیا گیا ہے۔ ہمیں اپنے کام اور اس کی نوعیت اور اس کے دائرے کا پورا شعور رہا ہے، اور ہم اپنی تمام کوششوں کو اسی حد کے اندر محدود رکھیں گے جو اس کام کی فطرت چاہتی ہے۔ لہٰذا کسی جماعت کو یہ اندیشہ نہ ہونا چاہیے کہ ہم ان کے دائرہ عمل میں مداخلت بیجا کریں گے۔ بلکہ اگر وہ سمجھیں تو انہیں خود محسوس ہو جائے گا کہ ہم ان کے رقیب نہیں بلکہ حقیقی خادم ہیں۔

رہیں مسلمانوں کی وہ مختلف جماعتیں جو اس وقت جمہوری تحریکیں چلا رہی ہیں، تو ہمیں معلوم ہے کہ ان میں سے کون ہمارے راستہ سے قریب تر ہے اور کون بعید تر، لیکن ہم نے قصداً کسی خاص جماعت کی تائید و حمایت سے احتراز کیا ہے تاکہ اس جتھے بندی کے دور میں، جبکہ اشخاص اور پارٹیوں کے لیبل ہی حق اور باطل کے معیار بن کر رہ گئے ہیں، ہم کو کسی پارٹی کا نقیب نہ سمجھ لیا جائے۔ ہمارا خطاب عام ہے۔ ہم ہر مسلمان کو اور مسلمانوں کی ہر جماعت کو اس کا وہ نصب العین یاد دلاتے ہیں جو خدا نے اس کے لیے مقرر کیا ہے، اور دلیل کے ساتھ اسے بتاتے ہیں کہ یہ راستہ تمہیں اس نصب العین کی طرف لے جانے والا ہے اور وہ راستہ اس سے دور ہٹا دینے والا۔ اب جس کے دل میں خدا کی محبت ہوگی وہ اگر غلطی بھی کر رہا ہوگا تو اس سے باز آجائے گا اور خود ہی اس راستے پر چلا جائے گا جو الٰہی نصب العین کی طرف جانے والا ہے۔ اور جو اشخاص یا پارٹیوں کی محبت میں گرفتار ہوگا وہ اپنی ضد پر اڑا رہے گا، اور اس کی حقیقت آج نہیں تو کل ساری قوم پر کھل جائیگی اور مسلمان بحیثیت مجموعی اسکے فتنے سے بچ جائیں گے۔

اسی طرح تنقید میں بھی ہم نے کبھی کسی کی حمایت یا مخالفت کو مقصود بالذات نہیں بنایا بلکہ ہمیشہ اسلامی نصب العین ہی ہمارا مقصود رہا ہے، اور ہم نے ہر اسلامی جماعت کو اس کی کوتاہیوں پر (خواہ وہ تھوڑی ہوں یا بہت) صرف اس غرض سے متنبہ کیا کہ وہ ان کا تدارک کر کے اس نصب العین کی طرف پیش قدمی کرنے کی قوت و قابلیت بہم پہنچائے۔ ہر جماعت اور ہر رہنما کو ایسے بہت سے لوگوں کی تائید حاصل ہے جو اس کی غلطیوں اور کمزوریوں پر پردہ ڈالتے اور اس کی غیر مشروط حمایت کرتے ہیں۔ اس تائید پیشہ گروہ میں کسی اضافے کی حاجت نہیں۔ البتہ ایک ایسے دردمند دوست کی سب کو ضرورت ہے جو انہیں ان کی کوتاہیوں سے باخبر کرے اور اس خدمت کے معاوضے میں سب سے برا بننے پر راضی ہو۔ ایک نقطۂ نظر سے یہ حماقت ہے کہ آدمی کسی کو اپنا کر کے نہ رکھے، مگر دوسرے نقطۂ نظر سے یہ عقلمندی ہے کہ صرف خدا کو اپنا کرے۔